خطبات خواجہ شمس الدین عظیمی

عرس مبارک حضور قلندر بابا اولیائ1996 ئ

ACD 6

Track - 1

97:00

''مقام حیرت کے سولہ سال''

''صرف تین چیزوں پر قابو پانے سے آدمی روحانی ہوسکتا ہے۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاضرین مجلس، خواتین و حضرات، مراقبہ ہال کے انچارج صاحبان، عظیمیہ
روحانی لائبریریوں کے لائبریرین، پاکستان اور بیرون پاکستان سے آنے والے مہمانان
گرامی، محترم دوست ، عزیزان گرامی، آج کا یہ بھرپور اجتماع ، خلوص و یگانگت
کے ساتھ ، آپ کا مرکزی مراقبہ ہال میں قیام ، دور دراز سفر کی صعوبتیں
برداشت کرکے اللہ کے نام پر اور اللہ کے عرفان کی تلاش میں یہاں آنا یہ سب
میرے لئے باعث افتخار ہے، باعث عزت ہے اور قابل تشکر ہے۔ سلسلہ عالیہ
عظیمیہ کی جب بنیاد رکھی گئی اور حضور قلندر بابا اولیا نے مجھ سے ارشاد
فرمایا کہ تمہیں سلسلہ چلانا ہے ۔ جس وقت مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیا
نے مجھے یہ بات فرمائی میرے ذہن میں اس وقت سلسلے کے بارے میں صرف اتنا
تھا کہ سلسلے کا سربراہ ... (آواز غائب ہے) ... بس اتنا ضروری ہے کہ وہ دستار
و گدی سے واقف ہو، اونچی جگہ بیٹھنے والا بندہ ہو، اس کے آگے پیچھے بہت
سارے لوگ ہوں، جو لوگ سامنے ہوں، وہ سرنگوں ہوں، اور جو لوگ بیٹھے ہوئے
ہوں ان کے اندر اتنی جرأت نہ ہو کہ وہ آنکھ اٹھا کر مرشد کے چہرے کو دیکھ
سکیں۔ مرشد کی خلوت اور جلوت میں مریدین کا کوئی حق نہ ہو مقصد یہ ہے
میرے ذہن میں سلسلے کے لئے ایک ماورائیت ہستی کا تصور تھا۔ یہ بات بالکل
ہی نہیں تھی کہ مرشد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر بھی کچھ ہوتا
ہے ۔ اور یہ اس لئے بات ذہن میں نہیں تھی کہ زندگی میں کبھی یہ سنا ہی
نہیں تھا کہ انسان کی اصل زندگی تو باطنی زندگی ہے۔ اور یہ ظاہری زندگی تو
سب مفروضہ اور فکشن حواس کا نام ہے۔ میں نے یہ سب کچھ سوچ کر حضور
کے سامنے عرض کیا کہ صاحب آپ نے ایک ایسی عجیب بات فرمائی ہے کہ جس
کا تصور بھی میرے ذہن میں نہیں ابھرتا۔ اس لئے کہ اگر روحانی استاد کے لئے یہ
ضروری ہے کہ وہ اچھا مقرر ہو، تو تقریر مجھے نہیں آتی۔ اگر مرشد کے لئے یہ
ضروری ہے کہ اس کو کچھ لکھنا آتا ہو تو لکھنا مجھے نہیں آتا۔ اگر مرشد کے لئے
یہ ضروری ہے کہ اس کی معلومات عام لوگوں کی معلومات سے زیادہ ہوتو میں
نے تو کبھی اسکول کے اندر قدم ہی نہیں رکھا۔ باہر سے تو بہت اسکول دیکھے

ہیں لیکن اندر تو کبھی قدم ہی نہیں رکھا۔ مرشد کا مطلب یہ ہے اگر اس کے
اندر روح کی بالید گی ہو ، اس کو روحانی پرواز حاصل ہو تو میں نے تو کبھی یہ
بات سنی بھی نہیں ہے کہ روح بھی کہیں پرواز کرتی ہے۔ جس ماحول میں ،
میں پیدا ہوا ۔ جس ماحول میں، میں نے نشو و نما پائی ، وہاں تو روح کا کہیں
تصور ہی نہیں ہے۔ یہ تسلیم ہی نہیں کیا جاتا کہ مادی جسم کے علاوہ بھی
کوئی اور جسم ہے۔ یہ میں نے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جب حضور کی خدمت
میں عرض معروضات پیش کیں، تو حضور نے فرمایا کہ بھئی بات یہ ہے کہ جب
اللہ تعالیٰ کسی کو نوازنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ
نہیں دیکھتا کہ کس آدمی میں کیا صلاحیت ہے، کس آدمی کے اندر کتنی سکت
ہے، کوئی آدمی کتنا کام کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک مزاج ہے اور وہ یہ
ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو نوازتے ہیں تو نوازش و اکرامات کا یہ حصہ ہے
کہ اس بندے کے اندر از خود تمام صلاحیتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ وہ اگر گونگا ہے تو
بولنے لگتا ہے، بہرا ہے تو سننے لگتا ہے، اس کے اندر قوت پرواز نہیں ہے تو اللہ
تعالیٰ اسے بال و پر دے دیتا ہے۔ وہ اگر بدصورت ہے تو لوگوں کو خوبصورت نظر
آتا ہے۔ اگر اس کا تکلم اچھا نہیں ہے تو اس تکلم میں ایسی شیرینی اور حلاوت
اللہ تعالیٰ داخل کردیتا ہے کہ سننے والے اس کے تکلم کا انتظار کرتے ہیں۔ اس
کے لب و لہجے میں ایک ایسا تاثر قائم ہوجاتا ہے کہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی
اسے سنتے ہیں۔ اس کے چہرے پر ایک ایسی انوار و تجلیات کی چادر تن جاتی ہے
کہ لوگ چہرے کو تکتے رہتے ہیں اور سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ہم کیا دیکھ
رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے معاملات ہیں آپ کو یہ نہیں سوچنا کہ میں یہ نہیں
کرسکتا، میں وہ نہیں کرسکتا۔ آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ
آپ کا انتخاب کرلیا ہے اس لئے آپ راضی برضا ہوکر راستے پر قدم بڑھا دیں،
بس اس کے بعد آپ کا کوئی کام نہیں ہے۔ راضی برضا ہوکر خود کو مرشد کے
سپرد کردیا۔ مرشد نے توجہ سے، تصرف سے ، گفتگو سے تربیت فرمائی۔ اور
تربیت کا محور یہ ٹھہرا کہ یہ صدیوں پرانی جو خاندانی روایات ہیں ان روایات
کو ختم کرکے نئی روایات، نیا ٹریڈیشن میں زندگی گزارنی چاہئیے۔ اور وہ نئی
روایات کیا ہیں؟ وہ نظر آتی ہے نئی روایات لیکن اصل میں اصلی روایات وہی
ہیں کہ انسان جو بھی کچھ کرے ، جو بھی کہے وہ اللہ کے لئے ہو اس میں اپنی
ذات کا عمل دخل نہ ہو۔ اس بنیاد پر تربیت شروع ہوگئی۔ ظاہر ہے صدیوں
پرانا شعور اس بات کو کیسے برداشت کرلیتا ، صدیوں پرانی روایات جو انسان
کی زندگی ہوتی ہیں وہ روایات کیسے سرجھکادیتیں، ایک جنگ شروع ہوگئی، ایک
لڑائی شروع ہوگئی۔ شعور میں اور پیر و مرشد کی طرز فکر میں۔ بہت لڑائی
ہوئی، بہت زیادہ تکلیف بھی ہوئی ، بہت زیادہ مزاحمت بھی کی گئی۔ جب
مزاحمت بڑھ گئی، تکلیف اتنی زیادہ ہوگئی کہ احساس تکلیف ختم ہوگیاتو ایک
دن سامنے بٹھا کر فرمایا کہ زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ خوش رہنے کے
بھی دو طریقے ہیں۔ کچھ بننے کے بھی دو طریقے ہیں۔ کسی سے کچھ حاصل

کرنے کے بھی دو طریقے ہیں اور کسی کو کچھ دینے کے بھی دو طریقے ہیں۔ اور
وہ دو طریقے یہ ہیں کہ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ وہ دوسروں سے
اپنی بات منوا سکے ، انسان کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ دوسروں کو اپنا ہم
ذہن بناسکے ، انسان کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ صدیوں پرانی روایات کو سینے
سے لگاتے ہوئے ان روایات کا تحفظ کرسکے ، ان روایات کو جاری و ساری رکھنے
کے لئے ساری دنیا سے مقابلہ کرسکے ایک تو یہ طریقہ ہے۔ اس طریقے کو دنیا
Independent والے

ہونا کہتے ہیں۔ خود مختار زندگی کہتے ہیں۔ کہ جو آپ چاہتے ہیں وہ
دوسروں سے منوالیں۔ جو آپ خود ہیں وہ دوسروں کو بنادیں۔ دوسرا طریقہ یہ
ہے کہ آپ اپنی نفی کردیں۔ یعنی

Independent

زندگی کو داغ مفارقت دے کر

Dependent

ہوجائیں۔ دوسروں کے اوپر خود کو چھوڑ دیں۔ تو آپ کی جو ساخت ہے، آپ کی
جو تخلیق ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ فطرت

Independent

نہیں ہے۔ آپ کی ساخت ہی اس بنیاد پر ہوئی ہے کہ آپ

Dependent

ہوکر زندگی گزار سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ

Independent

یا خود مختار زندگی سے آپ کنارہ کش ہوجائیں اور اپنے آپ کو میرے سپرد
کردیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنالیں۔آپ کے اندر
یہ صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے کہ آپ دوسرے کے بن جائیں۔ بات اتنی گہری
تھی اور ہے جیسے کہ آپ لوگ محسوس کررہے ہوں گے کہ کچھ سمجھ میں
نہیں آیا کہ یہ کیا بات ہوئی اپنے آپ کو کیسے دوسرے کے سپرد کردیں ، اپنی انا
کو ، اپنی ذات کو کس طرح ختم کردیا جائے ۔ بہرحال میں نے غور و فکر کیا
سوچا اور اللہ سے دعا کی اللہ تعالیٰ یہ خود مختار زندگی دی اس سے مجھے
نجات عطا فرمادے،

Dependent

زندگی مجھے عطا کردے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کے
بھروسے پر میری سمجھ میں آگئی کہ جب مرشد پکڑا ہے جب یہ بات تسلیم ہے
کہ مرشد نے ہی سب کچھ بنانا ہے یہ بات بھی سامنے ہے کہ مجھے تو یہ علم
بھی نہیں ہے کہ علم کیا ہے۔ یہ بھی پتہ نہیں ہے میں کہاں سے آیا ہوں، یہ بھی
پتہ نہیں مجھے کہاں جانا ہے۔ اس کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا کہ یہ زندگی فی
الواقع کیا ہے حقیقت ہے، فکشن ہے، مفروضہ ہے، کیا چیز ہے؟ بہرحال یہ بات
میں نے طے کرلی کہ مجھے اب

Independent

زندگی نہیں گزارنی۔ جو کچھ کہا جائے گا وہ کیا جائے گا۔ بات سمجھ میں آئے یا
نہ آئے۔ سلسلہٴ تربیت شروع ہوگیا۔ ایسی ایسی باتیں سامنے آئیں جن باتوں کو
شعور نے قبول کرنے سے انکار کیا نہ صرف انکار کیا بلکہ شعور کے اوپر ایسی
ضرب پڑی کہ انسان اس تکلیف کا ادراک تو کرسکتا ہے الفاظ میں بیان نہیں
کرسکتا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک ذہن کے اندر لڑائی ہوتی تھی کہ حضور
نے یہ فرمایا ہے ، شعور کہتا یہ بات تو سرے سے غلط ہے۔ اس کا نہ کوئی
شریعت سے تعلق ہے، اس کا نہ کوئی طریقت سے تعلق ہے۔ اس بات کا نہ
کوئی دنیا داری سے تعلق ہے۔ نہ کوئی قاعدہ ضابطہ یہ بتاتا ہے کہ یہ بات کہ
صحیح غلط کا پتہ ہی نہیں تو یہ کیسے فیصلہ کیا جائے کہ بات صحیح ہے یا غلط
ہے۔ لہٰذا جب پتہ ہی نہیں تو مرشد کا کہنا صحیح اس مزاحمت میں، اس
لڑائی میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ میرے کندھوں پر وزن پڑتا تھا۔ اور بسا
اوقات اس وزن کا احساس ٹنوں کے حساب سے جیسے کئی ٹن وزن کندھوں پہ
رکھا ہوا ہے۔ اور اس وزن سے میں راستے چلتے ٹھہر جاتا تھا۔ اور اس وزن کا
اتنا زور ہوتا تھا ، اتنا بوجھ ہوتا تھا ، تو اس کا وزن اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ میں
کھڑے کھڑے بیٹھ جاتا تھا۔ اور باوجود ہمت اور کوشش کے کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔
یعنی فزیکلی یہ محسوس ہوتا تھا کہ بہت زیادہ وزن اس پر کندھوں پر رکھا ہوا
ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک بات انہوں نے فرمائی آسمان کی اور شعور
نے زمینی حواس سے اسے سمجھنا چاہا تو اس میں بھی شعوری مزاحمت اتنی
زیادہ ہوجاتی تھی کہ خود کشی کو دل چاہتا تھا۔ کپڑے پھاڑ دینے کو دل چاہتا
تھا۔ کبھی کبھی یہ دل چاہتا تھا کہ کہیں چھلانگ لگادوں چھت کے اوپر سے۔
کبھی دل چاہتا تھا سمند ر میں کود جاؤں۔ یعنی ایک عجیب قسم کی بیزاری،
اذیت، تکلیف ہوتی تھی کہ جس کے بارے میں کسی سے کوئی تذکرہ بھی نہیں
کیا جاسکتا تھا اس لئے کہ کوئی ہمراز ہی نہیں تھا۔ اب اگر پیر و مرشد سے اس
کیفیت کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ بات تو ظاہر تھی کہ انہی کی وجہ سے ہی یہ
سب کچھ ہورہا تھا ۔ تو یہ سلسلہ آہستہ، آہستہ ، آہستہ بڑھتا رہا، اذیت اور
تکلیف کے احساس سے شعور خوگر ہوتا رہا۔ کبھی کھانے کی تکلیف، کبھی پہننے
کی تکلیف، کبھی نیند نہ آنے کی تکلیف، کبھی منفی خیالات کا دباؤ ، کبھی

شیطانی وسوسوں کا زور ، کبھی رحمان غالب آجاتا تھا ، کبھی شیطان غالب آجاتا
تھا۔ یہ سلسلہ دس سال تک قائم رہا۔ اس دس سالہ زندگی میں (...) کہ
خوشی اور غم دونوں متوازی ہوتے ہیں ۔ خوشی کے بغیر غم نہیں ہوتا اور غم
کے بغیر خوشی نہیں ہوتی لیکن ان دس سالوں میں ممکن ہے کہ دس ہفتے
خوشی کے گزرے ہوں گے باقی سخت اذیت میں ہی گزارے ۔ یہ بات آپ سب
لوگ جانتے ہیں کہ جب آدمی کسی اذیت سے گزرتا ہے ، اذیت کا دور خوشی کے
دور میں نہ وہ بیان کرسکتا ہے، نہ اسے یاد رہتا ہے، نہ وہ تاثر قائم ہوتا ہے۔
ایک آدمی اگر پریشان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پریشانی دور کردی تو جب وہ
پریشانی دور ہوجاتی ہے تو اسے پریشانی تو بیان تو کرتا ہے لفظوں میں لیکن
اس پریشانی کا کوئی تاثر قائم نہیں ہوتا اس کے ۔ دس سال یہ معاملہ اسی
طرح چلتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے انعام سے ، سیدنا حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی نسبت اور توجہ سے نجات مل گئی۔ اب دس
سال کے بعد ذہن کی افتاد یہ بنی کہ جو کچھ کہا جاتا تھا بس وہی سب کچھ
تھا۔ اور جو کچھ نہیں کہا جاتا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ذہن کے اندر کوئی
خیال ہی نہیں آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ذہن ماؤف ہوگیا ہے۔ جو بات جتنی کہہ
دی بس اتنی سمجھ میں آگئی۔ نہ لفظوں کا کوئی مفہوم ذہن میں آتا تھا۔ نہ
کوئی معانی سمجھ میں آتے تھے۔ نہ اس کے پیچھے کسی حکمت کا پتہ چلتا تھا۔
انہوں نے کہا صاحب ایک لوٹا، تو بس ایک لوٹا ہے کیا لوٹا ہے یہ کچھ نہیں ہے۔
تو تربیت کا یہ سلسلہ چلتا رہا، چلتا رہااور سولہ سال تک یہ سلسلہ قائم رہا۔
دس سال تو وہ اذیت کا سلسلہ قائم رہا۔ اور چھ سال اس اذیت کو بھولنے کا
سلسلہ قائم رہا۔ سولہ سال کے عرصے میں ذہن کی رفتار بھی بڑھی افتاد
طبیعت میں بھی تبدیلی آئی اور تبدیلی یہ آئی کہ یہاں کچھ نہیں ہے۔ جو بھی
کچھ ہے وہ اللہ ہے۔ اللہ چاہتا ہے بندہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے وہ بندہ
جوان ہوجاتا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے وہ بندہ اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ پیدا
ہوا، جوان ہوا ، بوڑھا ہوا، مرگیا۔ کل یہ کائنات ہے زندگی کی ۔ جب پیدا ہوا
کچھ ساتھ نہیں لایا۔ جب مرا تو ساتھ نہیں لے گیا۔ محلات بنائے، کارخانے لگائے،
دکان کی، روزگار کے حصول میں جدوجہد کی ، دنیا بھی خراب کی، عاقبت بھی
خراب کی ، اچھا آیا تھا برا چلاگیا۔ یہ بات سولہ سال کے بعد، سمجھ میں تو یہ
سبھی آپ کے سمجھ میں بھی آتی ہے ۔ سب جانتے ہیں کوئی آدمی یہاں نہ کچھ
لے کے آتا ہے نہ کچھ لے کے جاتا ہے۔ ہر آدمی یہ جانتا ہے۔ لیکن اس بات کا یقین
آدمی کے اندر پیدا نہیں ہوتا ۔ یہ یقین پیدا ہونے کے لئے کہ آدمی یہاں کچھ لے کر
نہیں آتا اور کچھ لے کر نہیں جاتا اس یقین کو مستحکم ہونے کے لئے سولہ سال
کی زندگی لگی۔ اور وہ سولہ سال کی زندگی بھی انفرادی زندگی نہیں ہے،
مرشد کی قربت کی زندگی ہے۔ شب و روز مرشد کے ساتھ قربت رہی تب یہ
بات سمجھ میں آئی کہ بھئی سچی بات یہ ہے کہ انسان نہ پیدا ہونے پر بااختیار
ہے، پتہ ہی نہیں ، بااختیار تو جب ہو جب اسے پتہ ہو کہ مجھے پیدا ہونا ہے۔

اسے اس بات کا علم ہے مجھے کہاں پیدا ہونا ہے؟ اسے علم ہی نہیں ہے کہ سید کے ہاں پیدا ہونا ہے، پٹھان کے ہاں پیدا ہونا ہے، جاپان میں پیدا ہونا ہے، امریکہ میں پیدا ہوناہے، پاکستان میں پیدا ہونا ہے، یا نہیں پیدا ہونا ہے، پتہ ہی نہیں ہے۔ جب اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ کہاں پیدا ہونا ہے تو بااختیار ہونا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ آپ پیدا ہوگئے جہاں اللہ نے چاہا۔ چمار کے ہاں چاہا، چمار کے ہاں پیدا ہوگئے۔ بادشاہ کے ہاں چاہا، بادشاہ کے ہاں پیدا ہوگئے۔ چپٹی ناک سے پیدا کردیا، آپ چپٹی ناک سے پیدا ہوگئے۔ کھڑی ناک سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، آپ کھڑی ناک سے پیدا ہوگئے۔ آپ کو اللہ نے کوتاہ قد کردیا تو کوتاہ قد ہوگئے۔ دراز قد کردیا تو دراز قد ہوگئے۔ رنگ آپ کا کالا اللہ نے پیدا کیا ، کالا بنادیا، توآپ کالے پیدا ہوگئے۔ گورے اللہ نے بنا دیا تو آپ گورے ہوگئے۔ آپ جتنا بھی غور کریں گے آپ کو یہ جواب ملے گا کہ پیدا ہونے پر کوئی شخص کوئی فرد کسی بھی طرح بااختیار نہیں ہے۔ اب پیدا ہوگیا، بے اختیار بندہ ، بے اختیار آدمی پیدا ہوگیا۔ اب اس کو اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ پیدا ہونے کے بعد وہ جوان ہوجائے۔ اگر پیدا ہونے کے بعد سال میں دو سال اس پر موت وارد ہوگئی تو جوانی کا کوئی تصور ہی نہیں ابھرتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا جوانی سے پہلے بھی لوگ مرجاتے ہیں۔ جوان ہونے کے بعد بھی مرجاتے ہیں۔ بوڑھاپا آنے سے پہلے مرجاتے ہیں۔ اور بوڑھاپا آنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔ اس کا مطلب بھی یہی نکلا کہ آپ کو جس طرح پیدا ہونے پر کوئی اختیار نہیں ہے اسی طرح مرنے پر بھی آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ یعنی زندہ رہنے پر بھی آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب آپ کی موت آئے گی آپ مرجائیں گے۔ حضور قلندر بابا اولیا ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ انسان عجیب بے وقوف ہے موت سے ڈرتا ہے اور موت ہی انسان کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ مستقر و متاع الیٰ حینہ اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کردیا ہے اس زمین پر رہنے کے لئے ۔ موت مرنے نہیں دیتی جب تک وقت کا تعین پورا نہیں ہوجاتا۔ ملک الموت کی جہاں یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ روح قبض کرے ملک الموت کی یہ بھی ڈیوٹی ہے کہ وقت معینہ سے پہلے کسی آدمی کو اس دنیا سے باہر نہیں جانے دینا۔ اس کا مطلب ہوا کہ انسان کی سب سے بڑی محافظ جو ہے اس کی موت ہے۔ اور انسان اس سب سے بڑے محافظ سے ہی ڈرتا ہے۔ ہر آدمی موت سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ موت سے آپ ڈریں نہ ڈریں اگر اس کا وقت نہیں ہے آپ مر نہیں سکتے۔ اگر وقت آگیا ہے تو آپ رک نہیں سکتے۔ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس حقیقت سے دنیا کا کوئی ایک فرد بھی انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کے باوجود سب جانتے ہیں کہ وقت مقررہ تک یہاں رہنا ہے، اور وقت مقررہ کے بعد یہاں سے جانا ہے۔ لیکن پھر بھی موت سے ڈرتے ہیں۔ تو آپ ذرا یہ خیال فرمائیں حضور نے فرمایا کہ زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک Independent

زندگی گزارنا ہوتا ہے اور ایک

Dependent

زندگی گزارنا ہوتا ہے۔

Dependent

زندگی کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو یہ اختیار ہی نہیں ہے کہ آپ پیدا
ہوجائیں تو بھئی اپنی پیدائش کا مسئلہ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے
اسی کے اوپر چھوڑدیں۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہی نہیں ہے کہ میری عمر
کتنی ہے دو سال ہے، دس سال ہے، اسی سال ہے ، نوے سال ہے، سو سال ہے۔
تو کیا ڈرنا۔ کیا حساب لگانا۔ بھئی اللہ تعالیٰ نے جب بھیج دیا آگئے ، جب بلالیا چلے
جائیں گے۔ تو

Independent

اور

Dependent

زندگی یہ دو ایسے رخ ہیں زندگی کے کہ اگر آدمی

Independent

زندگی گزارے گا تو اس کا تعلق کبھی بھی اللہ سے قائم نہیں ہوسکتا۔ اللہ
رسیدہ وہی بندے ہوتے ہیں جو

Dependent

زندگی گزارتے ہیں۔ اب اللہ کو تو کسی نے نہیں دیکھا نہیں ہے۔ اب اللہ کے
روپ میں ، یا اللہ کی صفات کی مظاہراتی خدوخال میں مرشد کی ذات ہے۔
اگر اللہ تک رسائی حاصل کرنی ہے ، اس دنیا کے بعد دوسری دنیاؤں میں داخل
ہونا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ

Indpenedent

جو ذہن ہے اسے ختم کریں۔ اور خود کو مرشد کی ذات سے وابستہ کرکے مرشد
کی ذات میں خود کو

Dependent

کردیں۔ یہ

Dependent

ہونے کا عمل یا اس کی پریکٹس یا اس میں یقین کا درجہ حاصل کرنے کے لئے
سولہ سال کا وقفہ لگا۔ اور اس سولہ سال کے وقفے میں ایک ہی بات سامنے

رہی کہ کس طرح بندہ اپنے آپ کو مرشد کے نام پر فنا کردے۔ روحانیت کا یہ اصل اصول ہے کہ مرشد کی ذات میں اگر فنائیت نہیں ہوگی مرید کو تو مرشد کی طرز فکر اس کے اندر منتقل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ مرشد کی طرز فکر اگر دودھ کی طرح ہے، اگر گلاب کی طرح ہے تو دودھ کے لئے بھی ظرف چاہئیے، پیالہ چاہئیے۔ اگر مرشد کی ذات کوئی ایک طرز فکر ہے تو اس طرز فکر کے لئے بھی ایک پیٹرن چاہئیے۔ پہلے ہی سے ایک پیٹرن بنا ہوا ہے ، پہلے سے ہی پیالہ بھرا ہوا ہے ، ایک پیالہ میں کثافت، گندگی، کیچڑ بھرا ہوا ہے اس پیالے میں آپ گلاب کیسے ڈال سکتے ہیں؟ اس پیالے میں دودھ کیسے انڈیل سکتے ہیں؟ ضروری ہے کہ پہلے اس پیالے کو خالی کیا جائے۔ پھر اس پیالے کو مانجھ کر، صاف کرکے قلعی کیا جائے اور اس کے بعد اس کے اندر آپ دودھ ڈال دیں، شہد ڈال دیں، پانی ڈال دیں یہ آپ کی مرضی ہے۔ روحانیت کا اصل اصول جو مجھے مرشد کریم ، حضور قلندر بابا اولیا نے بتایا، یہ فرمایا روحانیت نہ سیکھنے سے آتی ہے، نہ سکھانے سے آتی ہے ، روحانی علوم اب ت کی طرح نہیں پڑھے جاتے۔ روحانی علوم سیکھنے کے لئے قلم اور تختی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ روحانی علوم سیکھنے کے لئے ابھی تک کوئی قاعدہ مرتب نہیں ہوا۔ کوئی کتاب نہیں بنی۔ یہ جو آپ کتابیں پڑھتے ہیں اولیا اللہ کے واقعات ہیں، اولیا اللہ نے تصوف کے اوپر بہت کچھ لکھا ، یہ دراصل اس بات کی کوشش ہے کہ آپ

Independent

ذہن کو

Dependent

ذہن میں تبدیل کردیں۔ یہ ایک رہنمائی ہوتی ہے، اس سے کتابیں پڑھنے سے روحانیت نہیں آتی۔ کتابیں پڑھنے سے آپ کے اندر وہ طرز فکر پیدا ہوجاتی ہے جس طرز فکر کی موجودگی میں آپ کے اندر ایسا پیٹرن بن جاتا ہے کہ جس میں روحانی علوم انڈیلے جاسکیں۔ ہماری صورت یہ ہے کہ ہم نے چار لفظ پڑھ لئے ، پہلے تو روحانیت کے بارے میں تو کوئی کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔ اب حضور قلندر بابا اولیا کے اعجاز سے روحانی علوم کھلنے شروع ہوئے۔ اب یہ پتہ چل گیا عرش ہے، کرسی ہے، حجاب عظمت ہے، حجاب محمود ہے، سدرة المنتہیٰ ہے، بیت المعمور ہے، کہکشانی بے شمار نظام ہیں، بے شمار دنیائیں ہیں، بے شمار سورج ہیں، بے شمار چاند ہیں۔ ہر سیارے میں الگ الگ مخلوق آباد ہے۔ کہیں ٹرانسپیرنٹ ہے، کہیں چھوٹا ہے، کہیں موٹا ہے۔ اس کو ہم کہتے ہیں صاحب بڑی روحانیت ہم نے سیکھ لی۔ روحانیت کا مطلب صرف یہ ہے آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پوری پوری طرح اس طرح تعلق قائم کرلیں کہ آپ کی اپنی سوچ اپنی نہ رہے۔ آپ کی سوچ اللہ کی سوچ بن جائے۔ اور اس کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، والرسخون فی العلم یقولون امنا بہ کل من عند ربنا … جن لوگوں کے اندر الٰہی صفات کے منتقلی کا پیٹرن بن جاتا ہے اور اللہ کی طرز فکر ان کے اندر

مستحکم ہوجاتی ہے ۔ یعنی اپنی ذات کی نفی کرکے انسان کے اندر اللہ کے علاوہ کچھ نہیں رہتا اس میں استحکام اسے پیدا ہوجاتا ہے۔ یقولون ... ایسے لوگ کہتے ہیں ... امنا بہ ... یہ بات ہم نے مشاہدہ کرلی ہے ، اس بات نے یقین کا درجہ حاصل کرلیا ہے ... یقولون امنا بہ ... کل من عند ربنا ... کہ یہاں رب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ خیال اگر آرہا ہے تو وہ بھی رب کی طرف سے آرہا ہے۔ بھوک اگر لگ رہی ہے تو وہ بھی رب کی طرف سے لگ رہی ہے۔ پیاس اسے لگ رہی ہے تو پیاس کا تقاضہ بھی اسے رب کی طرف سے آرہا ہے۔ انسان کے اندر اگر حرکت ہے وہ بھی رب کی طرف سے ہے۔ انسان کی وریدوں اور شریانوں میںاگر خون دور کررہا ہے وہ بھی رب کی طرف سے ہے۔ اگر انسان کی وریدوں اور شریانوں میں دور ان خون بند ہوگیا ہے وہ بھی رب کی طرف سے ہے۔ دنیا کی کوئی مشین، کوئی طاقت ایک دفعہ آدمی اگر مرجائے تو رگوں میں، وریدوں میں، شریانوں میں خون نہیں دوڑا سکتا۔ انسان کی پیدائش رب کی طرف سے ہے۔ انسان کی موت رب کی طرف سے ہے۔ یہ پتہ ہی نہیںانسان کو کہ انسان ہے کیا۔ اسے تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ انسان جب زمین پر چلتا ہے، پھرتا ہے، حرکت کرتا ہے، سوچتا ہے، کہاں سے سوچتا ہے؟ کہاں سے اسے فیڈنگ مل رہی ہے؟ کون سی وہ برقی رو ہے جس برقی رو کی بنیاد پر وہ دوڑ بھی رہا ہے، چل بھی رہا ہے، پھر بھی رہا ہے، سو بھی رہا ہے، جاگ بھی رہا ہے، شادی بھی کررہا ہے، بچے بھی ہورہے ہیں۔ اور جب وہ برقی رو اس انسان سے رشتہ توڑ لیتی ہے وہ فنائیت کے ایسے درجے میں داخل ہوجاتا ہے نہ اسے بھوک لگتی ہے، نہ اسے پیاس لگتی ہے، نہ اس کے اندر کوئی تقاضہ ابھرتا ہے۔ پھر کیسے کوئی انسان کہہ سکتا ہے کہ اس کی زندگی میں اس کا کوئی ذاتی اختیار بھی کام کررہا ہے؟ اگر انسان کے اندر اس کا کوئی ذاتی اختیار کام کرتا تو انسان جس طرح اس دنیا سے محبت کرتا ہے ، دنیا کی چپک انسان کو جس طرح اس دنیا میں ذلیل و خوار کرتی پھرتی ہے ، کوئی انسان مرنا تو بعد کی بات ہے، مرنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ کوئی انسان کبھی بیمار نہ ہوتا۔ کوئی انسان کبھی لاغر نہ ہوتا۔ کوئی انسان کبھی بوڑھا نہ ہوتا۔ کسی انسان کا بچہ نہ مرتا، کسی انسان کی ماں نہ مرتی، کسی انسان کا باپ نہ مرتا، کوئی انسان معذور نہ ہوتا۔ آپ اپنی زندگی کا جب تجزیہ کریں گے تو حضور قلندر بابا اولیا کے ارشاد کے مطابق کوئی آدمی اپنی زندگی کے کسی ایک عمل میں

Independent

نہیں ہے۔ اس لئے خیال آئے گا تو آپ کچھ کام کریں گے۔ وہ خیال شیطانی وسوسے سے متعلق ہو، وہ خیال رحمانی طرز فکر سے متعلق ہو۔ یہاں ماشا ء اللہ سب پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلسل پینتیس سال کی جدوجہد اور کوشش سے اب ذہن اتنے کھل گئے ہیں کہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ اتنے بڑے ہجوم میں کیا کوئی ایک آدمی اس بات کا اظہار

کرسکتا ہے کہ زندگی کا کوئی عمل خیال آئے بغیر کیا جاسکتا ہے؟ کوئی ایک
عمل؟ اگر کیا جاسکتا ہے، اگر انسان با اختیار ہے کوئی عمل کرنے میں تو اتنے
بڑے مجمع میں جتنے بھی لوگ ہیں یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ زندگی ستر سال،
اسی سال، سو سال کی زندگی میں کوئی ایک کام بغیر خیال آئے کیا جاسکتا ہے
تو مہربانی کرکے ہاتھ اٹھائیں؟ کوئی ایک عمل، کوئی ایک حرکت؟ سو سال کی
زندگی، سو سال کی زندگی کو اگر آپ حساب لگائیں گھنٹے اور منٹ اور سیکنڈ
اور لمحات کتنے بنتے ہیں؟ کروڑوں سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ یعنی اگر انسان کی
ستّر سال کی زندگی ہے تو ستّر سال کی زندگی میں اس نے کروڑوں عمل کئے،
کروڑوں کام کئے، کروڑوں فیصلے کئے ۔ ان کروڑوں فیصلوں میں سے، ان کروڑوں
عمل میں سے کوئی ایک عمل آپ بتائیں جو اللہ کی طرف سے خیال آئے بغیر آپ
نے کئے ہوں؟ کوئی ایک بات بھی آپ نہیں بیان کرسکتے ہیں۔ انسان مجبور محض ہے۔
انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اسے اوپر سے فیڈ کردیا جاتا ہے۔ انسان سوتا اس
وقت ہے جب اس کے شعور میں یہ بات آجاتی ہے کہ اگر اب نہ سویا گیا تو مزید
حرکت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انسان کھانے پر مجبور ہے، پینے پر مجبور ہے،
شادی بیاہ پر مجبور ہے۔ تو جب وہ انسان مجبو رہی ہے اور اس کی ذات میں
ایک عمل بھی ایسا نہیں ہے جس میں وہ

Independent

ہو تو پھر یہ کیسی بے وقوفی ہے کہ انسان اپنے آپ کو با اختیار سمجھتا ہے۔
اور بااختیار ہوکر وہ اللہ سے دور ہورہا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیا کا ارشاد ہے
کہ اگر انسان اس بات کو سمجھ لے ، اس حقیقت سے آشنا ہوجائے کہ یہاں
کوئی بھی مخلوق

Independent

ہے ہی نہیں تو مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ جب کوئی مخلوق

Independent

ہے ہی نہیں تو

Dependent

ہے۔ اور جب

Dependent

ہے تو کس پر

Dependent

ہے؟ وہ اللہ ہے، خالق ہے، وہ مالک کل ہے، خودمختار ہے، قادر مطلق ہے۔ تو Independent زندگی گزارنے کی، قلندر بابا اولیا نے دو رخ بتائے۔ ایک

ہونا یعنی اپنے انا کے خول میں بند ہوکر زندگی گزارنا۔ کبر کرنا، اقتدار کی خواہش ہونا، اپنے آپ کو منوانا، ضد کرنا، بحث کرنا، فساد برپا کرنا۔ بات وہی ہے پورا اپنے آپ کو منوانا۔ یہ منوانا میں بااختیار ہوں۔ یہ سب کا سب فساد ہے۔ اور یہ طرز عمل کہ ہم اپنی زندگی میں بااختیار بھی اسی وقت ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ دئیے ، اس ہاتھ کو ہم کس طرح استعمال کرتے ہیں اگر اس کو آپ یہ کہیں کہ صاحب اس میں ہم بااختیار ہیں، اس میں بھی بااختیار نہیں ہیں۔ خیال آتا ہے، خیال کے تحت آپ کے اندر ایک میکانیکی حرکت ہوتی ہے،ایک میکانزم اندر کام کررہا ہے ، اس کے تحت آپ کام کرلیتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اختیارات کو دو رخ دے کر اچھائی اور برائی کا تصور عطا کیا۔ اچھائی اور برائی کوئی چیز نہیں ہے۔ جتنے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ انہوں نے انسان کے اندر اچھائی اور برائی کا تصور منتقل کیا ہے۔ لیکن یہاں اس دنیا میں کوئی کام نہ اچھا ہے، نہ برا ہے۔ اگر اچھا ہے تو اچھا ہی ہے۔ برا ہے تو برا ہی ہے۔ اصل میں اچھائی اور برائی کا مطلب ہے اس عمل میں جو عمل آپ آسمان سے آئے ہوئے خیالات کے تحت انجام دے رہے ہیں اس کے معانی کیا پہناتے ہیں۔ ایک آدمی کسی آدمی کے تھپڑ مارتا ہے اصلاح کے لئے ، خیر ہے۔ دوسرا آدمی اتنی زور سے تھپڑ مارتا ہے ، دوسرے آدمی کے لئے نفرت و حقارت سے ، یہ شر ہے۔ عمل ایک ہے، تھپڑ مارنا، چوٹ لگنا۔اس میں کوئی فرق نہیں دونوںکو معلوم ہے چوٹ لگے گی۔ لیکن یہ عمل خیر اور عمل شر بھی اسی وقت تک ہے جب تک آپ کے اندر زندگی دوڑ رہی ہے۔ اور زندگی کے بارے میں کوئی آپ کا اختیار نہیں ہے۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ زندگی، پہلے تو یہ بات ہے کہ یہ بات علم ہی نہیں ہے کہ زندگی کیا ہے۔ اس بات سے کوئی واقف ہی نہیں ہے کہ زندگی کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں زندہ ہے بھئی ،حرکت ہے بس۔حرکت ہے زندہ ہے آدمی چل رہا ہے، پھر رہا ہے، بھاگ رہا ہے ، دوڑ رہا ہے، کاروبار کررہا ہے، شادی کررہا ہے بیاہ کررہا ہے، نئی نئی ایجادات کررہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ابھی تک یہ بات طے نہیں ہوئی کہ زندگی ہے کیا۔ زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ زندگی صرف اللہ تعالیٰ کا چاہنا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے لئے، آپ کے لئے ، زید کے لئے ، بکر کے لئے چاہتے ہیں کہ اس کے اندر حرکت رہے، ہم سب زندہ ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ ہم زندہ رہیں ہمارے اندر کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ روز آپ دیکھتے ہیں کتنی دنیا پیدا ہوئی، مرگئی۔کتنی دنیا اب ہے، مرجائے گی۔ بعد میکتنی دنیا پیدا ہوگی۔صفحۂ ہستی سے نابود ہوجائے گی یعنی زمین پر اس کا وجود نہیں رہے گا۔ تو روحانی لوگوں کے لئے خصوصاً سالک لوگوں کے لئے ، تصوف کے راستے پر چلنے والے لوگوں کے لئے ، عظیمی بہن بھائیوں کے لئے اور وہ لوگ جو خوش شناسی کے ساتھ ساتھ ، خدا شناس ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ

ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا تجزیہ کریں۔ اپنے اندر تلاش کریںکہ کیا واقعی آپ
بااختیار ہیں؟ کیا زندگی کے کسی بھی لمحے میں آپ کا کوئی اختیار عمل کررہا
ہے۔ جب آپ سوچیں گے تو ایک ہی بات سمجھ میں آئے گی کوئی اختیار آپ کو
نہیں ہے۔ پھر اختیار کیا ہے؟ اللہ کا چاہنا اختیار ہے۔ جب اللہ کا چاہنا ہی
اختیار ہے تو آپ اپنی پوری زندگی اللہ کے سپرد کردیں۔ اور اللہ کی سپردگی ہی
روحانیت ہے۔ اللہ کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا ہی عرفان ہے۔ اللہ کے معاملات
کو سمجھنا ، اللہ کے علوم کو سیکھنا ، اللہ کے اوصاف کو تلاش کرنا، اپنے اندر،
زمین کے اوپر ، زمین کے اندر، آسمانوں پر ، کائنات میں یہ سب روحانی راستے پر
چلانے کے لئے اسباق ہیں۔ انسان کے اندر اگر تفکر نہیں ہوگا ، انسان اگر خود کو
اللہ کے ساتھ

Dependent

نہیں کرے گا تو اس کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ شرف ہونا تو بہت
بڑی بات ہے اس کی زندگی تو جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ حضور قلندر بابا اولیا
کے ارشاد کے مطابق ہرروحانی مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ

Independent

زندگی کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دے۔

Dependent

زندگی گزارے۔ اور اللہ کے ساتھ

Dependent

ہوکر زندہ رہے۔ لیکن چونکہ پھر وہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سامنے نہیں ہیں
تو سامنے پیر و مرشد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ان تعلیمات کے مطابق
خود کو اس طرح ڈھال لیں ان تعلیمات پہ اس طرز فکر میں کہ اس کی اپنی
ذات کی نفی ہوجائے۔ آپ نے (...) مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے کلمہ پڑھنا۔ لا
الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ اب اس کا ترجمہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ۔ کیا
مطلب ہوا اس کا؟ لا الہ ... نہیں کوئی معبودمگر اللہ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
ہمارے ذہنوں میں جو معبود کا تصور ہے ہم اپنی ذات کی معرفت عبدیت کا جو
مظاہرہ کرتا ہے وہ ہم اس کی نفی کرتے ہیں۔ لا الہ ... ہم جس طرح معبود
کو معبود جانتے ہیں وہ معبود نہیں ہے۔ یا ہم نے خاندانی روایات کے مطابق،
شعوری وسوسوں کے مطابق جس طرح خدا تراش لئے ہیں اس خدا کی پہلے
نفی کرنی ہے۔ اور جب تک آپ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی نفی نہیں کریں گے
آپ ایک خدا کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ لا الہ ... نہیں کوئی معبود یعنی شعوری
اعتبار سے جس طرح ہم خدا کو خدا جانتے ہیں ہم اس کی نفی کرتے ہیں۔ الا

اللہ ... مگر ایک واحد ذات اللہ کو اللہ مانتے ہیں۔ اپنی نفی کرنا بھی
Dependent

ہونا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ رسول اللہ ﷺ جو اللہ کے قاصد ہیں
جس طرح اللہ کے قاصد نے، اللہ کے محبوب بندے نے اللہ کا تعارف کرایا ہے۔ اس
کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور جس طرح دوسرے بندوں نے اللہ کا تعارف کرایا ہے۔ اس
کی نفی کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ ... کوئی معبود نہیں ۔ شعوری اعتبار سے اگر
آپ خدا کو تسلیم کرتے ہیں تو حقیقی خدا کو تسلیم کرنے کے لئے شعوری خدا کی
نفی کرنی پڑتی ہے۔ لا الہ ... کوئی نہیں ہے خدا مگر اللہ۔ بھئی مجھے بتادیں
مجھے وقت کتنا دیا گیا ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ کسی روحانی طالب علم کو،
Dependent طلباء کو طالبات کو یہ بات ذہن نشین کرلینی ہے کہ جب تک

زندگی اختیار نہیں کی جائے گی روحانی علوم کوئی آدمی نہیں سیکھ سکتا۔
روحانی علوم کیا آپ ظاہری علوم بھی دیکھئے ، ابھی وہ تذکرہ ہورہا تھا کہ
سوال جواب میں ، ورکشاپ میں کہ استاد کہتا ہے الف بچے کہتا ہے الف۔ تو
استاد جب کہتا ہے الف بچے کو تو پتہ تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ الف کیا چیز ہے۔
انہوں نے کہا یہ الف۔ ایک کھڑی لکیر جو ہے الف ہے اور لیٹی ہوئی لیکر ب ہے۔
اگر بچہ

Dependent

نہ ہو وہ الف کو الف کبھی کہے گا نہیں۔ یعنی کوئی بھی علم سیکھنے کے لئے
لازم ہے کہ آپ استاد کے سامنے بالکل غیر جانبدار ہوجائیں۔ اپنی ذات کی نفی
کردیں۔ اگر آپ اپنی ذات کی نفی نہیں کریں گے آپ علم کو نہیں سیکھ سکتے۔
تو جب دنیاوی علوم نہیں سیکھ سکتے تو رحمانی علوم آپ کیسے سیکھ سکتے
ہیں؟ تو ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے کسی روحانی انسان کے
بارے میں میں عرض کررہا ہوں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام عوامل ، اپنے خیالات،
اپنے تصورات، اپنے احساسات کا ذمہ دار خود کو نہ سمجھے۔ اس لئے وہ عمل
اس وقت کرے گا جب اللہ کی طرف سے اسے کوئی خیال آئے گا۔ اللہ کی طرف
سے کوئی خیال ہی نہیں آئے گا وہ عمل کیا کرے گا۔ تو یہاں سب کچھ اللہ ہے۔
پھر وہ آیت میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں اس میں غور فرمائیں ... والرسخون
فی العلم ... اور وہ لوگ جو علم میں مکمل ہوجاتے ہیں ، جو حقیقی علم حاصل
کرلیتے ہیں اور ان کا ذہن حقیقی علم کو قبول کرلیتا ہے ان کے اندر الٰہی علوم
کو قبول کرنے کا پیٹرن بن جاتا ہے۔ یقولون ... وہ کہتے ہیں، امنا بہ ... ہمارا
یقین ہے ، ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہاں کوئی بھی چیز ایسی نہیں
ہے جو آزاد ہو، خود مختار ہو، ہر چیز اللہ کی طرف سے ... کل من عند ربنا
... ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام و اکرام ہے ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں سعید
روحوں میں شامل کیا۔ وہ اس لئے کہ یہ دور دراز سے آنا ، راتوں کو جاگنا،
سردی میں بیٹھنا، یہ صرف سعید روحیں ہی کرسکتی ہیں۔ گھر سے بے گھر

ہونا، (...آواز غائب ہے ...) حضور قلندر بابا اولیا فرمایا کرتے تھے، کہ پیر و مرشد
اپنے تصرف سے محنت سے، نسبت سے، مرید کو دھوکر صاف کرکے ، اجلا کرکے
جو روشنیاں اس کے اندر منتقل کرتا ہے۔ مرید اگر ایک منٹ کا غصہ کرے تو تین
سال کی روشنیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ اور مرشد کا سب سے بڑا جو مشکل کام
ہے وہ وہی ہے کہ وہ بار بار مرید کے اندر سے کثافت کو دھوتا ہے۔ روشنیاں
منتقل کرتا رہتا ہے۔ اور مرید ایک منٹ کے غصے سے ان روشنیوں کا ضائع کردیتا
ہے۔ مرید بھی نہیں تھکتا، پیر و مرشد بھی نہیں تھکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد
شامل حال ہوتی ہے تو کام بن جاتا ہے ورنہ اسی صفائی ستھرائی میں یا یہ
مرجاتا ہے یا مرید مرجاتا ہے۔ ایک منٹ کا غصہ تین سال کی لطیف روشنیوں کو
کھاجاتا ہے۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب علیٰ المحسنین ...
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ غصہ کرتے ہیں اللہ ان سے محبت نہیں کرتا۔
یہاں صورتحال یہ ہے کہ غصے کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ شوہر بیوی پہ غصہ
کررہی ہے ، کررہا ہے۔ بیوی شوہر پہ غصہ کررہی ہے۔ اولاد ماں باپ سے
ناراض ہے، ماں باپ اولاد سے ناراض ہے۔ دوسری کمزوری اللہ تعالیٰ کو جو
ناپسندیدہ ہے اور جو روحانیت کے لئے سم قاتل ہے وہ اقتدار کی خواہش ہے۔
ہر آدمی اپنا اقتدار چاہتا ہے۔ ہر آدمی کرسی کے چکر میں ہے۔ یعنی اگر مسجد
کا سیکرٹری بھی بن جائے گا نہ وہ بھی وہ کرسی لاکھوں روپیہ خرچ کرکے مسجد
ہی کرسی حاصل کرلیتا ہے وہ سیکرٹری تو بنادو بھئی۔ اقتدار کا خواہش مند
آدمی آپ یاد رکھیں اور اپنے ذہنوں سے یہ بات نکال دیں کہ اقتدار کا خواہش
آدمی کبھی بھی روحانی نہیں بن سکتا۔ وہ اپنا وقت ضائع کررہا ہے۔ میں نے
سلسلے میں بھی یہ بات دیکھی ہے ذرا سا نگراں بن جائیں تو معلوم ہوا پتہ نہیں
کیا چیز مل گئی ہم کو۔ ذرا سی کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کردیں کہ صاحب
ہماری تو بات نہیں مانی گئی۔ نظام چلانا الگ بات ہے۔ اقتدار کی خواہش الگ
بات ہے۔ جو لوگ اقتدار کی خواہش کرتے ہیں وہ دنیا میں چند آدمی تو اکھٹے
کرسکتے ہیں ، ہاتھ پیر تو چموا سکتے ہیں ، روحانی نہیں بن سکتے۔ اور تیسری
بات حضور قلندر بابا اولیا نے فرمائی جنس کا غلبہ۔ اگر کسی عورت کے اوپر،
کسی مرد کے اوپر جنس غالب ہے ، یعنی وہ اعتدال سے ہٹ گیا ہے وہ بھی کبھی
روحانی نہیں بن سکتا۔ اب یہ تین کمزوریاں، ایسی کمزوریاں ہیں یہاں جتنے
بھی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں میرا خیال ہے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جن میں
کم و بیش یہ کمزوریاں نہ ہوں۔ سب سے زیادہ خطرناک چیز تو غصہ ہے۔
کسی روحانی آدمی کو غصہ نہیں آتا۔ حضرت علی کا آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ
ایک غیر مسلم سے لڑائی ہوگی ، حضرت علی نے اسے گرالیا۔ اور اس کے سینے
پر بیٹھ کر اس کا سر قلم کرنا چاہ رہے تھے تلوار سے کہ اس نے حضرت علی کے
منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علی نے اس کو چھوڑ دیا اور کھڑے ہوگئے۔ اس بندے نے
کہا صاحب اب آپ کو مجھے بالکل ہی قتل کردینا چاہئیے تھا۔ تو انہوں نے کہا
نہیں! میں تجھے غصے کے تحت قتل نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ میرے سے تیری لڑائی

اللہ کے لئے تھی۔ اب جب تونے میرے اوپر تھوک دیا مجھے غصہ آگیا تو غصے میں ، میں تجھے قتل نہیں کرتا تو یہاں سے چلا جا! اور وہ آدمی اس بات پر مسلمان ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر آپ غور فرمائیں کہیں بھی غصہ آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ کیسے وہ ہندہ جس نے حضور پاک ﷺ کے چچا کا کلیجہ چبایا جب وہ اسلام میں داخل ہوئی اس کو بھی حضور نے مسلمان کرلیا۔ مکہ میں کتنی حضور ﷺ کو اذیتیں دی گئیں، کانٹے بچھائے گئے، سجدہ کی حالت میں اونٹ کی اوجھ رکھی گئی گردن کے اوپر۔ بائیکاٹ کردیا گیا۔ کھانا پینا بند کردیا گیا۔ مکہ شہر سے ہجرت پر مجبور کردیا گیا۔ لیکن جب مکہ میں فاتح کی حیثیت سے حضور ﷺ داخل ہوئے تو تاریخ خاموش ہے، لرزاں براندام ہے، یہ کیسی فتح ہے کہ ایک قطرہ خون کسی کا نہیں بہا ، سب کو معافی۔ جو خانہ کعبہ کے اندر ہے اس کو معاف، جس نے گھر کا دروازہ بند کرلیا وہ معاف، جو کسی چھجے کے نیچے کھڑا ہوگیا اس کے لئے معافی، جو اگر کھڑا ہوا ہے اور اسلامی فوجیں اندر داخل ہوئیں وہ بیٹھ گیا وہ معاف۔ کیسا ستم ہے ، کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ جہاں غصے کا کہیں معافی ہی معافی ہے، رحمت ہی رحمت ہے۔ امت کا یہ حال ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں ہے جو غصے سے خالی ہو۔ ہر گھر میں لڑائی فساد، لڑائی فساد ، لڑائی فساد، غصہ، اقتدار کی خواہش۔ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ان کی امت اگر وہی کام کرے گی تو رسول اللہ ﷺ سے اس کو کیسے قربت حاصل ہوسکتی ہے۔ تو روحانی آدمی کے لئے پہلی بات یہ ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو ، اپنے اوپر کتنا بھی جبر کرنا پڑے غصے سے خود کو آزاد کرلیا جائے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اقتدار کی خواہش نہ ہو۔ سلسلے میں اللہ تعالیٰ اگر کوئی مقام عطا کرے تو اس کو حق نہ سمجھا جائے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز سمجھا جائے، عزت سمجھا جائے۔ اور اس اعزاز کی عزت افزائی یہ ہے کہ آپ اس طرح اپنے آپ کو پیش کریں کہ آپ کو کچھ کہنا نہ پڑے۔ لوگ آپ کو دیکھ کر ، آپ کے ذہن کو سمجھ کر ، آپ کے مطابق کام کریں۔ اگر غصہ آپ نے کیا غصہ روحانیت کے خلاف ہے ، تو کبھی آپ کو کامیابی نہیں ہوگی۔ آج کی مجلس میں یہ طے کرکے اٹھنا ہے جب اللہ کے بھروسے پہ کوئی آدمی ارادہ کرتا ہے ، عمل کرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح فرمایا ہے، والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا ... جو لوگ جدوجہد کرتے ہیں ، کوشش کرتے ہیں، اپنے آپ کو بنانے کے لئے الٰہی نظام کے تحت خود کو ڈھالنے کے لئے عمل کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشتا ہے، ان کے لئے راستے کھولتا ہے۔ ان کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے۔ آپ کوشش کریں، جدوجہد کریں اور ان تین باتوں کو ہمیشہ سامنے رکھئے کہ غصہ نہیں کرنا ، اقتدار کی خواہش نہیں کرنی، اور اعتدال کی زندگی گزارنی ہے۔ ان اللہ لایحب المسرفین ... اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بھی محبت نہیں کرتا جو اعتدال سے اور توازن سے ہٹ کر زندگی گزارتے

ہیں ، توازن کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو سمجھانے کی ضرورت ہو۔ اعتدال اور توازن یہ ہے کہ آپ کا ضمیر مطمئن ہو۔ اعتدال اور توازن یہ ہے کہ آپ کے اندر خودنمائی نہ ہو، اعتدال اورتوازن یہ ہے کہ آپ کے اندر کبر نہ ہو، اعتدال اور توازن یہ ہے کہ جو آپ اپنے لئے چاہیں وہ اپنے بھائیوں کے لئے چاہیں، اعتدال اور توازن یہ ہے کہ دین اور دنیا کو بیلنس کریں۔اللہ تعالیٰ اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ آپ کھانا نہ کھائیں، کپڑے نہ پہنیں، گھر نہ بنائیں، تو پھر تو دنیا کے بنانے کا مقصد بھی فوت ہوجائے گا۔ اگر آدمی کھانا نہیں کھائے گا،کپڑے نہیں پہنے گا ، گھر نہیں بنائے گا ، پھر دنیا، دنیا پھر کیا ہوئی؟ اللہ تعالیٰ نے یہ جو رونق لگائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روئی اس لئے بنائی ہے کہ کپڑا بنے ، اللہ تعالیٰ نے ریشم اس لئے بنایا ہے کہ کپڑا بنے ، اللہ تعالیٰ نے اون اس لئے پیدا کی کہ آپ اس سے اپنا بہترین لباس بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر وسائل اس لئے پھیلائے تاکہ اس سے آرام و آسائش حاصل کریں۔ وسائل کو استعمال نہ کرنا بھی ناشکری ہے، کفران نعمت ہے۔ ولقد اتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکرللہ ... ومن یشکر فانما یشکر النفسہ ... و من کفر فانما ربی لغنی حمید ...حضور قلندر بابا اولیا نے اس آیت کی تشریح میں اور تفسیر میں بیان فرمایا ہم نے لقمان کو حکمت دی۔ ولقد اتینا لقمٰن الحکمۃ...ہم نے لقمان کو حکمت دی، ان اشکرللہ ... اب اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ ہمارا شکر ادا کرے۔ لیکن لقمان اللہ کی دی ہوئی نعمت پر تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ہزار دانے کی اور یہ کہتے یا اللہ ! تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے، یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ کیا انعام و اکرام اور حکمت کا تقاضہ پورا ہوجاتا؟ شکر سے مراد یہ ہے جو نعمت آپ کو حاصل ہے آپ اسے استعمال کریں۔ ولقد اتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکرللہ ... ہم نے لقمان کو حکمت دی تاکہ وہ اسے استعمال کریں، اپنے لئے اور لوگوں کے لئے ۔ اور لقمان علیہ السلام نے اللہ کی دی ہوئی حکمت کو استعمال کیا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو نعمت ہم عطا کرتے ہیں وہ اسلئے عطا کرتے ہیں کہ لوگ اسے استعمال کریں، اس سے استفادہ کریں۔ اور جو لوگ اللہ کی نعمت سے استفادہ کرتے ہیں اس سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے ، وہ مستفیض ہوتے ہیں، آرام و آسائش انہیں میسر ہوتا ہے ۔اور جو لوگ اللہ کی نعمت کو استعمال نہیں کرتے وہ محروم ہوجاتے ہیں۔ اب میرے پاس یہ شال ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی۔ اب میں سردی میں ٹھٹھر رہا ہواور یہ شال استعمال نہیں کرتا۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، یا اللہ ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے شال دی، یا اللہ ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے شال دی، یا اللہ ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے شال دی۔ تو شکر کا مطلب یہی استعمال ہے۔ حضور قلندر بابا فرماتے ہیں اللہ کی نعمت کو اس طرح استعمال کرو کہ تمہارا ذہن اللہ کی طرف جائے۔ ولقد اتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکرللہ ... کہ ہم نے لقمان کو حکمت دی اس لئے تاکہ وہ ہمارے لئے ، ہماری خوشی کے لئے اس کو استعمال کرے۔ تو اگر آپ دنیا بیزار ہوجائیں گے ، دنیا میں کاروبار نہیں کریں گے تو دنیا تو اندھیر ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو

اندھیر کرنا نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ اگر دنیا کو اندھیر کرنا چاہتے تو دنیا میں اتنے
وسائل پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ نئی نئی ایجادات جو ہورہی ہیں اس کی
ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ دنیاوی جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو
عطا کی ہیں آپ انہیں بھرپور انداز میں استعمال کریں لیکن ذہن میں یہ رکھیں
کہ یہ نعمت اللہ کی دی ہوئی ہے۔ ہماری ملکیت نہیں ہے۔ ہمارا ذاتی تصرف
اس کے اوپر کچھ نہیں ہے۔ اللہ نے دی ہے اس لئے ہم استعمال کررہے ہیں۔ تو
اللہ کی دی ہوئی جو بھی نعمت آپ اللہ کے لئے استعمال کرتے ہیں اس سے اللہ
راضی ہوتا ہے اس سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ اور اللہ کی دی ہوئی نعمت کو آپ
اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اگر استعمال کرتے ہیں تو اللہ اس سے خوش نہیں
ہوتا۔ آپ اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کہ نعمت کو استعمال کریں اس کا فائدہ بھی
آپ ہی کو پہنچے گا۔ آپ اللہ کی نعمت کو اللہ کی ملکیت کے تصور سے
استعمال کریں اس کا فائدہ بھی آپ کو پہنچے گا۔ تو اب دوسری بات، پہلی
بات ، تین باتیں تو میں نے آپ کو بتائیں۔ اقتدار کی خواہش، غصہ اور اعتدال کی
زندگی۔ تین باتیں یہ ہوگئیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جو بھی کچھ یہاں دنیا میں
ہے آپ اس کو بھرپور انداز میں استعمال کریں لیکن ذہن میں اس بات کو
دہرائیں یہ چیز اللہ کی دی ہوئی ہے۔ اللہ نے ہمیں دی ہے ہ استعمال کرنے سے
اللہ خوش ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اسے استعمال کررہے ہیں۔ پانچویں بات یہ ذہن
نشین ہونی چاہئیے کہ انسان روحانی ترقی اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک
وہ شعور کے خول میں بند رہتا ہے۔ اس لئے کہ روحانیت لامحدود علم ہے۔
شعور کا مطلب ہی محدودیت ہے۔ لامحدود چیز حاصل کرنے کے لئے آپ کو
محدودیت کے دائرے سے نکلنا ہوگا۔ جب تک محدودیت کے دائرے سے آپ باہر قدم
نہیں نکالیں گے لامحدود دائرے میں داخل نہیں ہوسکتے۔ ایک روحانی آدمی کو یہ
سمجھنا چاہئیے کہ اس کی سوچ، اس کی فکر محدود نہ ہو۔ وہ شعوری اعتبار
سے سونے، چاندی کے ذخیروں میں گم نہ ہوجائے۔ وہ شعوری اعتبار سے محض
دنیا کو اپنا مقصد نہ بنائے۔ وہ شعوری اعتبار سے اتنا گمراہ نہ ہوجائیں کہ
فرعون اور شداد اور نمرود کی اوصاف اس کے اندر داخل ہوجائیں۔ ہر انسان کو
اللہ تعالیٰ نے لامحدود بنایا ہے۔ روح جو آپ کے اندر کام کررہی ہے وہ لامحدود
ہے۔ اور آپ کا یہ مادّی وجود اور شعور محدود ہے۔ تو یہ بھی ہمیں سوچنا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے ہمیں بھرپور استفادہ کرنا ہے لیکن ان
چیزوں کو اپنی ملکیت تصور نہیں کرنا اللہ کی دی ہوئی چیزیں سمجھ کر انہیں
استعمال کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آپ سب حضرات کا
بہت شکریہ کہ آپ اتنی دور دراز سے تشریف لائے۔ یہاں مرکزی مراقبہ ہال کے
عظیمی بچوں نے، خواتین نے حضرات نے آپ کے آرام و آسائش کے لئے اپنی طرف
سے بہت سے پروگرام بنائے۔ بہت سارا انہوں نے کام کیا۔ یہ عرس کا جو مہینہ
ہوتا ہے پانچ چھ دن آپ لوگ تشریف رکھتے ہیں، اس کی تیاری اگست کے مہینے
سے شروع ہوجاتی ہے۔ ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبراور بیس جنوری تک اس کا

مطلب ہے چار ماہ اور بیس روز تک آپ کے عظیمی بہن بھائی جو کراچی سے متعلق ہیاور ان کی خدمات مرکزی مراقبہ ہال کے لئے وقف ہیں وہ آپ کے آرام و آسائش کے لئے ، آپ کو خوش کرنے کے لئے چار مہینے بیس دن رات دن محنت کرتے ہیں کہ آپ لوگ تشریف لائیں۔ تزئین و آرائش سے بھی آپ کو خوشی ہوئی پھول دیکھ کر بھی آپ کی روح میں سرور داخل ہوا انتظام دیکھ کر بھی آپ خوش ہوئے اور یہ بات بھی ہمارے پیش نظر رہتی ہے کہ ساری دنیا کے مراقبہ ہال کے نگران صاحبان اور ذمہ دار سلسلہ حضرات بھی تشریف لاتے ہیں تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مرکز میں آکریہاں کی صفائی ستھرائی ، انتظام و انصرام ، آرام و آسائش کی جو ضروریات ہیں وہ ، ان سب کو آپ دیکھیں اور صرف تعریف ہی نہ کریں ہماری ایک بہن ہے اس نے بڑی تعریف کی جب آکر بیٹھے بڑا اچھا انتظام ہے، بڑا اچھا انتظام ہے، بڑی صفائی ہے، بڑی ستھرائی ہے، بڑی یہ ہے وہ ہے۔ تو میں نے کہا بھئی اب میرا خیال ہے پانچ چھ دفعہ تم تعریف کرچکی ہو تو اس سے مجھے کیا خوشی ہے ، تعریف تم کر رہی ہو مجھے بھی نظر آرہا ہے صفائی ستھرائی ہے۔ تعریف کی بات یہ ہے کہ جو چیزیں آپ کو یہاں اچھی لگیں آپ اپنے یہاں اس کا اہتمام کریں۔ مرکزی مراقبہ ہال میں جو چیز دیکھنے کی اور سمجھنے کی اور سبق حاصل کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور قلندر بابا اولیا کے فیض سے یہاں ایک ٹیم تشکیل پاگئی ہے۔ یہ سارا کام ٹیم ورک ہے۔ صفائی والے صفائی کرتے ہیں، بجلی والے بجلی لگاتے ہیں، کرسی والے کرسی بچھاتے ہیں، لنگر کھلانے والے لنگر کھلاتے ہیں، پکانے والے پکاتے ہیں۔ ایک ٹیم ورک ہے۔ تو یہ ٹیم ورک بڑی جدوجہد اور کوشش کے ساتھ، بار بار کی میٹنگ کرنے کے بعد عمل میں آیا ہے۔ خصوصاً وہ حضرات جو مراقبہ ہال کے انچارج صاحبان ہیں یا جنہیں سلسلہ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں وہ اپنے شہروں میں اس بات کی کوشش کریں ٹیم کے ساتھ وہ کام کریں۔ سلسلہ عالیہ عظیمیہ دراصل ایک قافلہ ہے۔ قافلہ میں چند لوگ نہیں ہوتے ہیں۔ قافلہ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس میں ہر طرز فکر کا آدمی موجود ہوتا ہے۔ قافلہ میں موچی بھی ہوتا ہے، درزی بھی ہوتا ہے، کارپینٹر بھی ہوتا ہے، معلم بھی ہوتا ہے، شاگرد بھی ہوتا ہے، نان بائی بھی ہوتا ہے۔ یعنی زندگی میں کام آنے والے جتنے بھی لوگ ہیں وہ سب قافلہ میں شریک ہوتے ہیں۔ قافلہ سالار کی یہ ذمہ داری ہے کہ گو کہ وہ سب سے آگے ہوتا ہے لیکن اسے اپنے آگے ہی نہیں دیکھناپیچھے زیادہ دیکھنا ہوتا ہے۔ اگر قافلہ میں سے لوگ نکلنا شروع ہوگئے اور قافلہ سالار نے اس طرف توجہ نہیں کی تو نہیں کہا جاسکتا جب قافلہ منزل پر پہنچے تو سو آدمیوں میں سے دو ہی آدمی رہ جائیں۔ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے نگران صاحبان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہنوں سے اقتدار کی خواہش کو نکال دیں، دوسرے لوگوں پر اعتماد کرنا سیکھیںاس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے، ایک سسٹم ہے کہ ایک آدمی سب کام نہیں کرسکتا۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک آدمی تنور پہ روٹی بھی لگائے، سالن بھی

پکائے، بازار سے گوشت بھی خرید کے لائے،بچوں کو تعلیم بھی دے، علاج بھی کرے، یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو اس دنیا میں گروہی سسٹم قائم نہ ہوتا۔ یہ دنیا، یہاں کی دنیا ہو یا غیب کی دنیا ہو، ایک گروہی سسٹم قائم ہے۔ مثلاً اگر ہم فرشتوں کے اوپر نظر ڈالتے ہیتو فرشتوں کے بھی بے شمار گروہ ہیں۔ ملائکہ عنصری، ملائکہ ارضی، ملائکہ سماوات، حاملان عرش، گروہ جبرئیل، گروہ میکائیل، گروہ اسرافیل، گروہ عزرائیل، بے شمار گروہ فرشتوں کے ہیں جن کے ذمے الگ الگ ڈیوٹیاں ہیں۔ کسی گروہ کی ذمہ داری ہوا کے اوپر ہے۔ کوئی گروہ بارش کے لئے سربراہ ہے۔ کوئی گروہ علم کا سربراہ ہے۔ تو جب سارا نظام اور سسٹم ہی ٹیم ورک ہے تو ایک آدمی ہر کام نہیں کرسکتا۔ یہ بھی لوگوں کے ذہن میں خیال آتا ہے اور میں یہ اس لئے عرض کررہا ہوں کہ میرے ذہن میں بھی یہ خیال آتا تھا پہلے کہ اگر میں نے اپنا کام دوسروں کے سپرد کردیا تو میری کیا حیثیت رہ جائے گی۔ یعنی میری حیثیت کم ہوجائے گی اگر میں نے اپنا کام کسی دوسرے کے سپرد کردیا۔ اپنے قائم مقام اگر دس بیس نہیں تو دو چار آدمی ضرور چھوڑنے ہیں۔ اگر اس طرح نہیں کیا گیا تو سلسلہ آگے نہیں بڑھے گا۔ آم کے درخت سے آم کھائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر آم کی گٹھلی کو زمین میں نہ دبایا جائے تو دنیا سے آم ختم ہوجائے گا۔ آم ایک فرد ہے، ایک تشخص ہے جس طرح انسان ایک فرد ہے، ایک تشخص ہے۔ آم کی گٹھلی خود آم ہے۔ جب گٹھلی زمین کے اندر جاتی ہے جب تک آم کی گٹھلی اپنے وجود کو نیست و نابود نہیں کردیتی دوسرا آم کا درخت زمین پر نہیں اگتا۔ اسی صورت سے سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ارکان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دنیا کو چھوڑنے سے پہلے خود کو زمین کے اندر دفن کرکے نیست و نابود کردے تاکہ ان کی جگہ ایک ، دو، تین ، چار درخت اور ہوں۔ اس وقت یہ سلسلہ پھیلے گا۔ کسی دوسرے آدمی پہ اعتماد کرنا ہر گز اس بات کی طرف اشارہ نہیں ہوتا کہ آپ کی اپنی عزت کم ہوجائے گی۔ آپ کو دوسرے لوگوں کو آگے بڑھانا ہے۔ میری کوشش اور جدوجہد ہے کہ میں جب تک بھی یہاں ہوں اپنے قائم مقام لوگوں کو تیار کروں۔ تقریر میں ، تحریر میں، تصنیف میںاور طرز فکر کی تبدیلی میں انشاء اللہ اب آپ دیکھیں گے کہ نئے نئے لوگ کتابیں بھی لکھیں گے، نئے نئے لوگ تقریریں بھی کریں گے۔ اسلئے کہ ون (...آواز غائب ہے ...) سلسلہ عظیمیہ کی ترویج اور ترقی اسی طرح ممکن ہے کہ ہر آدمی اپنی نفی کرکے دوسرے لوگوں کو آگے بڑھائے۔ آگ بڑھانے میں ظاہر ہے اقتدار کی خواہش کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ دوسرے لوگوں کو آگے بڑھانے میں اپنی ذات کی نفی ہوتی ہے۔ بہت ساری باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ غلط باتیں بھی ہوتی ہیں وہ بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے چھوٹوں کو غلطیاں کرنے کا موقع نہیں دیں گے تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی؟ اگر ہم اپنے چھوٹوں پر ذمہ داریاں نہیں ڈالیں گے نہ وہ نقصان کریں گے اور نہ آئندہ وہ نقصان سے بچ سکیں گے۔ ہر نیا بچہ جو زمین پر پیدا ہوتا ہے سارے کام فائدے کے نہیں کرتا۔ جتنا زیادہ وہ نقصان کرتا ہے اسی حساب سے

اس کا ذہن بنتا ہے۔ اسی حساب سے اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے ۔اسی
حساب سے وہ باشعور کہلاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ذمہ دار حضرات اپنے
چھوٹوں کو آگے بڑھائیں۔ میرے مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیا کے مرشد ،
حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردی صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا میں تمہیں
ایک نصیحت کرکے جارہا ہوں اور اس کو ہمیشہ یاد کرکے رکھنا۔فرمایا تھا کہ
روحانی آدمی کی یہ ڈیوٹی ہے اگر وہ اوپر ہے تو نیچ والے کو کھینچے اوپر۔ نیچے
والوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ اگر ان کا کوئی بھائی باصلاحیت ہے یا نہیں ہے اس کو
اگر اوپر کھینچا جارہا ہے تو وہ یہ نہ سوچے کہ میں اوپر کیوں نہیں گیا اس کو
پُش کردینا چاہئے۔ اور یہ سلسلہ جب قائم ہوجائے گا تو بہت سارے ایسے لوگ
جن کی صلاحیتیں کم ہوں گی وہ بھی اوپر پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا سلسلہ عالیٰ
عظیمیہ کی ترویج اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی نفی کرے۔ ہر
شخص کے سامنے صرف ایک بات ہونی چاہئیے کہ سلسلہ کی ترویج اور ترقی
کس طرح ہو۔ بالکل یہ سوچنا نہیں ہے کہ کس نے کیا ، سوچنا یہ ہے کہ کس
نے کام کیا، وہ عورت ہو، مرد ہو، کمزور ہو، طاقت ور ہو۔ اس لئے کہ ہر
آدمی کی صلاحیتیں الگ الگ ہیں۔ اگر کسی کی صلاحیت سے آپ کو فائدہ پہنچ
رہا ہے تو آپ اس کی ہمت افزائی کریں، اس کی تعریف کریں۔ اگر اس کی
کوئی بات بری بھی لگ رہی ہے تو اسے برداشت کریں۔ اس لئے ایک دفعہ، دو
دفعہ، چار دفعہ جب آپ کسی کی بات برداشت کریں گے تو وہ اس بات کو خود
ہی چھوڑ دے گا۔ میرا خیال ہے میں نے آپ حضرات کا کافی وقت لے لیا۔ اور جو
حضرات مقالے پڑھنے والے ہیں ان کا بھی دل چاہتا ہوگا ہم بھی مقالے پڑھیں ۔
اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے۔ آپ تشریف لائے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔
اللہ تعالیٰ آپ کو دین دنیا کی تمام نعمتیں عطا کرے۔ اور سلسلہ کی ترویج اور
ترقی میں آپ کو ہر ہر قدم پر کامیابی عطا فرمائے ۔ رسول اللہ ﷺ کی نسبت
عشق سے ، حضور قلندر بابا اولیا کے فیض آپ پر اور ساری دنیا پر محیط ہوں۔
آمین یا رب العالمین۔

★★★★★